بچوں کے لیے طبع زاد کھانیوں کا مجموعہ

آفتاب حسنین

کی

کھانیاں جانوروں کی

رحمانی پبلی کیشنز

مالیگاؤں-203 423

ناشر : **رحمانی پبلی کیشنز**

1032- اسلامپورہ،

مالیگاوں (ناسک)-203 423

ٹیلیفون:234460(02554)

سرورق : **آصف بختیار سعید**

سن اشاعت : **2005**

قیمت : **-/13روپے**

تعداد : **ایک ہزار**

(c) : **زرینہ آفتاب**

کمپیوٹر کمپوزنگ : **حرا کمپیوٹرس**

اسلام پورا، مالیگاؤں۔

مطبع : **نورانی آفسیٹ پریس**

مالیگاؤں۔

ا

A SHORT STORIES BY AFTAB HASNAIN

جانوروں میں انسانوں کے جملہ فضائل و رذایل پائے جاتے ہیں اس لیے بچّوں میں برائیوں سے بچنے اور اچھائیوں کو حاصل کرنے کی تڑپ پیدا کرنے کا یہ ایک موثر طریقہ ہے لیکن یہ کام بہت مشکل ہے۔ پہلے تو بچّوں کے لیے لکھنے کے لیے، لکھنے سے پہلے آدمی کو اپنا بچپن گھسیٹ کر لانا پڑتا ہے پھر جانوروں والی کہانیاں لکھنے کی ایک مخصوص ٹیکنک ہوتی ہے جس کو اپنانے کی ہر ایک میں صلاحیت نہیں ہوتی۔ اس کے لیے کافی مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ **آفتاب حسنین** کو اس فن سے والہانہ شغف ہے اور اس میں انہیں مہارت حاصل ہے!

۔ مولانا حسن عباس فطرت

آفتاب حسنین اس عہد کے ڈراموں اور ادبِ اطفال کے اہم ادیب ہیں جنہیں ان دونوں اصناف کے لیے مندرجہ ذیل ریاستی اور قومی سطح کے انعامات اور اعزازات سے نوازہ گیا ہے :

☆ مہاراشٹرا راجیہ پرسکار	1974
☆ بہار اسٹیٹ اردو اکیڈمی ایوارڈ	1978
☆ سندا اقبالیہ (لکھنو)	1979
☆ ساہتیہ کلا پریشد ایوارڈ (نئی دہلی)	1990
☆ مہاراشٹرا اسٹیٹ اردو اکیڈمی ایوارڈ	2001
☆ بابا گنا کر ساہتیک سمّان	2003
☆ موہن راکیش سمّان (نئی دہلی)	2003
☆ بزم اطفال ایوارڈ (مالیگاؤں)	2005

۔ پبلشر، سلیم احمد رحمانی

کھانیاں جانوروں کی

☆ لالچی گیدڑ 8
☆ گھمنڈی گینڈا 11
☆ کاہل شیر 15
☆ چور بندر 19
☆ ظالم چیل 22
☆ بے ایمان لومڑی 27
☆ مغرور چیونٹی 30
☆ بُری عادت 33
☆ بطخ اور مرغیاں 36

☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہانی، کہانی چاچا کی!

پیارے بچّو!

میرے پڑوس میں ایک کہانی چاچا رہتے ہیں۔ نام تو ویسے ان کا کچھ اور ہے پر چوں کہ انہیں کہا نیوں کا بڑا شوق ہے اس لیے لوگ انہیں کہانی چاچا کہتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کی آخری دہلیز پر ہیں۔ پڑھے لکھے ہیں نہیں اس لیے اپنی تاریخِ پیدائش نہیں جانتے۔ ہاں، اپنے طریقہ سے جوڑ توڑ کر اتنا بتاتے ہیں کہ انہوں نے اب تک تقریباً اسّی عیدیں منائی ہیں۔

جب بھی بازار جاتے ہیں ایک آدھ کہانی کی کتاب لانا نہیں بھولتے اور پھر کتاب لے کر پڑوس پڑوس بھٹکتے ہیں کہ کوئی انہیں پڑھ کر سنائے۔ اب انہیں اپنی یہ مجبوری بُری طرح اکھرتی ہے اور بچپن میں اپنی اسکول سے غیر حاضر رہنے اور پڑھائی سے جی چرانے کی غلطی کا بہت افسوس ہوتا ہے کیوں کہ اگر دوسرے بچوں کی طرح وہ بھی محنت سے دل لگا کر تعلیم حاصل کرتے تو آج کہانیوں کے لیے دوسروں کے محتاج نہیں ہوتے۔ کبھی کبھی تو انہیں ذلّت بھی اٹھانی پڑتی ہے جب چھوٹے چھوٹے بچّے ان کی اس کمزوری کا مذاق اڑاتے ہیں۔

انہیں زندگی کا بڑا تجربہ ہے۔ ایک دن میں نے ان سے ان کی اسّی سالہ زندگی کے تجربے کا نچوڑ جاننا چاہا تو وہ بہت افسردہ ہو گئے اور بڑے ہی افسوس ناک لہجے میں بولے، ''تعلیم کے بغیر میری زندگی ادھوری رہ گئی! بہت سی چیزیں ایسی تھیں جو میں کرنا چاہتا تھا لیکن انپڑھ ہونے کی وجہ سے کر نہیں پایا اور ہمیشہ احساس کمتری میں مبتلا رہ کر زندگی جی ہے!''

میری یہ کتاب، 'کہانیاں جانوروں کی' شائع ہوئی تو اس کی ایک کاپی میں نے انہیں تحفتاً دینا چاہا تو وہ بولے، '' آپ کی کہانیاں مجھے بہت پسند ہیں۔ آپ بہت اچھا لکھتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ متواتر لکھتے رہیں اور یہ تب ہی ممکن ہے جب ہم کتابیں تحفہ میں نہ لے کر، اسے خرید کر پڑھیں ورنہ.....ادب کا اللہ ہی مالک ہے!'' اس کے بعد انہوں نے مجھے اس کتاب کی قیمت دی۔ میں نے انہیں کہانیاں پڑھ کر سنانے کی پیش کش کی تو وہ بولے، ''نہیں.....زندگی بھر میں نے کہانیاں سنی ہیں، اب آپ کی اس کتاب، 'کہانیاں جانوروں کی' کی کہانیاں خود پڑھوں گا۔'' میں نے حیرت سے ان کا منہ دیکھا تو وہ بولے، '' روز شام کو میں مدرسہ جا کر پڑھنا سیکھ رہا ہوں!'' یہ سن کر مجھ کو رسول اللہ ﷺ کا قول یاد آ گیا، 'جو شخص حصولِ علم کے لیے گھر سے نکلتا ہے، فرشتے اس کی راہ میں اپنے پر بچھاتے ہیں!'

چند مہینوں بعد وہ مجھ سے ملنے آئے۔ ان کے ہاتھ میں میری کتاب تھی اور چہرے پر ایک عجیب سی خوشی۔ آتے ہی بڑے فخر سے بولے، '' آفتاب صاحب، آپ کی اس کتاب کی ساری کہانیاں میں نے پڑھ لی ہیں۔ بہت ہی اچھی اور با مقصد کہانیاں ہیں!'' اپنی تعریف سن کر میں پھولا نہ سمایا۔ میں نے ان سے پوچھا، '' آپ بچوں سے کچھ کہنا چاہیں گے؟'' تو وہ بولے، '' کہانیاں پڑھنے کا مقصد صرف تفریح اور وقت گزاری نہیں ہوتا ہے بلکہ ان سے حاصل ہونے والے سبق پر عمل کرنا بھی ہوتا ہے۔

اس کتاب، 'کہانیاں جانوروں کی' ہر کہانی اپنے ساتھ ایک پیغام لیے ہوئے ہے۔ ایک سبق، ایک نصیحت لیے ہوئے ہے۔ میری بچوں سے التجا ہے کہ ان کہانیوں کو صرف تفریحاً پڑھ کر بھلا نہیں دینا بلکہ انہیں اپنے ذہن میں محفوظ رکھ کر ان سے ملنے والے سبق پر عمل　　بھی کرنا۔

'کہانیاں جانوروں کی' کی نو مختلف کہانیاں بظاہر مختلف جانوروں سے تعلق رکھتی ہیں لیکن حقیقتاً ان کا اشارہ انسانی سماج کی اہم برائیاں، چوری، لالچ، گھمنڈ، بے ایمانی، ظلم، غرور اور کاہلی وغیرہ کی طرف ہے۔ یہ برئیاں ایسا ناسور ہیں جو انسان کو رفتہ رفتہ تباہی اور بربادی کے بھیانک دہانے میں دھکیل دیتی ہیں۔ وقتی طور پر

انسان ان برائیوں کو اپنا کر خوش تو ہو جاتا ہے لیکن جب انجام سامنے آتا ہے تو صرف افسوس، پشیمانی، تباہی، بربادی اور ذلّت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مجھے امید ہے کہ 'کہانیاں جانوروں کی' کی کہانیوں سے بچّے عبرت حاصل کریں گے اور اپنے دامن کو برائیوں سے پاک رکھ کر اچھائی اور نیکی کے راستے پر چلیں گے تاکہ دنیا میں اور آخرت میں بھی سرخرو رہیں!'' اتنا کہہ کر کہانی چاچا نے میری پیٹھ تھپتھپائی اور چلے گئے۔

بچّو، کہانی چاچا کو تم سے کچھ کہنے کے لیے کہا تو انہوں نے بہت کچھ کہہ ڈالا لیکن اپنے تجربے کی روشنی میں جو کچھ کہا ہے وہ بات بڑے پتے کی ہے اور اگر تم ان کی باتوں کی گانٹھ باندھ لو تو زندگی میں شیطان تم پر کبھی غالب نہیں ہوگا، تم گمرہی سے بچو گے اور بدلے میں ملے گی ایک پرسکون، خوشحال اور سربلند زندگی!

تمہارا مصنّف

۔ آفتاب حسنین

65, Ashok Apartment, Gandhigram Marg, Juhu, Mumbai - 400 049 (India) Tel. :2620 4475. Email : aftabhasnain@yahoo.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لالچی گیدڑ

آفتاب حسنین

کسی جنگل میں ایک گیدڑ رہتا تھا۔ بہت ہی پیٹو اور لالچی! درختوں سے جتنے پھل گرتے فوراً ہی چٹ کر جاتا پھر بھی اس کی نیت نہیں بھرتی تھی اور وہ پھلوں سے بھری ڈالیوں کو حسرت سے دیکھتا رہ جاتا۔

ایک دن وہ ایک آم کے درخت کے نیچے پہنچا جہاں زمین پر بہت سے آم گرے ہوئے تھے اور آموں سے بھری ہوئی شاخیں بوجھ سے جیسے ٹوٹی پڑ رہی تھیں۔ اتنے سارے آم دیکھ کر گیدڑ بہت خوش ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر بھکرے ہوئے تمام آم چٹ کر گیا لیکن پیٹ بھرنے کے باوجود اس کی نیت نہیں بھری۔ دو چار لمبی لمبی ڈکاریں لینے کے بعد وہ آم سے بھری شاخوں کو للچائی نظروں سے دیکھتے ہوئے درخت پر چڑھنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ دیر تک کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی اور وہ دیوانہ سا ہو کر پیڑ کے چکر لگاتا رہا۔

ابھی وہ پیڑ کے چکر کاٹ رہا تھا کہ کسی طرف سے حضرت ہاتھی تشریف لے آئے جو بہت ہی بھوکے معلوم ہو رہے تھے۔ آتے ہی انہوں نے پیڑ کے پتّوں اور پھلوں سے پیٹ کی آگ بجھائی پھر ایک فلک شگاف چنگھاڑ کے ذریعے خدا کا شکر ادا کر کے ستانے کے لیے زمین پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ ہاتھی کو دیکھ کر گیدڑ بہت خوش ہوا۔ اس کی سمجھ میں ایک بہت ہی اچھی تدبیر آ گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ ہاتھی کے سونے کا انتظار کرتا رہا

پھر آہستہ آہستہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر اس کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر آرام کر کے ہاتھی جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس کے جانے سے پہلے ہی گیدڑ ایک شاخ پکڑ کے پیڑ پر چڑھ گیا۔ اپنے چاروں طرف بیشمار ہرے، پیلے، لال آم دیکھ کر وہ خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ پہلے کون سا آم کھائے۔ کبھی ایک آم کی طرف بڑھتا تو کبھی دوسرے کی طرف۔ دیر تک یہی کیفیت رہی اور وہ ایک آم بھی نہ کھا سکا۔ پھر اچانک ہی اس پر جنون سا طاری ہو گیا اور وہ اندھا دھند آم کھانے لگا۔ قریب کے شاخ کے صاف ہوتے ہی وہ دوسری پر پہنچ جاتا۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹنے لگا لیکن ابھی بہت سے آم باقی تھے اور اس کی نیت سیر نہیں ہوئی تھی۔ وہ پیڑ پر کے تمام آم کھا جانا چاہتا تھا لیکن پیٹ میں گنجائش نہیں تھی۔ وہ پریشان ہو گیا اور تمام آم کھانے کی تدبیر سوچنے لگا۔

پھر ایک تدبیر اس کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ ایک ایک شاخ پر جا کر آم نیچے گرانے لگا یہاں تک کہ تمام آم نیچے گر گئے۔ گیدڑ بہت خوش ہوا۔ اب تمام آم اس کے تھے اور وہ تمام آم کھا سکتا تھا۔ آم گرانے کے بعد اس نے اترنے کے لیے نیچے دیکھا لیکن ہاتھی جا چکا تھا۔ اب اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔ آم کھانے کی لالچ میں وہ ہاتھی کا سہارا لے کر پیڑ پر چڑھ تو گیا تھا پر یہ نہیں سوچا تھا کہ ہاتھی کے بغیر اترے گا کیسے؟ اتنے اونچے پیڑ سے نہ وہ چھلانگ لگا سکتا تھا اور نہ ہی موٹے تنے کے ذریعے نیچے اتر سکتا تھا۔ وہ پریشان ہو گیا اور اپنی غلطی پر بری طرح پچھتانے لگا۔ نہ وہ زیادہ آم کھانے کی لالچ میں پیڑ پر چڑھتا اور نہ ہی اس مصیبت میں گرفتار ہوتا۔ وہ ایک شاخ سے دوسری شاخ پر دوڑ کر نیچے اترنے کی تدبیر سوچنے لگا۔ اس بھاگ دوڑ میں تمام آم ہضم ہو گئے اور اسے بھوک ستانے لگی۔ وہ ہر شاخ کو حسرت بھری نظروں سے دیکھنے لگا جن کے تمام آم وہ پہلے ہی نیچے گرا چکا تھا۔ اپنی لالچ پر اسے بہت غصہ آیا۔ وہ مایوس ہو کر ایک شاخ پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہوا کے تیز جھونکے چلنے لگے اور پیڑ کی شاخیں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں۔ اب گیدڑ بہت گھبرایا اور ایک شاخ سے لپٹ گیا۔ رفتہ رفتہ ہوا آندھی میں تبدیل ہو گئی۔ چند لمحوں تک

درخت ہوا کے شدید جھونکوں کا مقابلہ کرتا رہا پھر ایک زوردار آواز کے ساتھ جڑ سے اکھڑ کر زمین پر گر پڑا اور ایک وزنی شاخ کے نیچے دب کر گیدڑ کا کچومر بن گیا۔ ایک طرف لالچی گیدڑ مردہ پڑا تھا، دوسری طرف بہت سے بکھرے ہوئے آم اس کو منہ چڑا رہے تھے۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے، 'لالچ بری بلا ہے!'

☆

گھمنڈی گینڈا

آفتاب حسنین

لومڑی کے ننھے ننھے بچوں کو گینڈے نے بری بیدردی سے اپنے بھاری بھرکم پیروں سے کچل ڈالا، پھر دونوں کے مردہ جسم کو زوردار لات مارتے ہوئے بڑے غرور سے دہاڑا، ''میرے راستے میں آنے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے!'' اس کے بعد اپنی طاقت کے نشے میں چور وہ ڈولتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ جنگل کے دوسرے چھوٹے موٹے جانوروں نے یہ ظالمانہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن وہ بے چارے گینڈے کو ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکے کیوں کہ وہ کمزور تھے اور اگر زرا بھی مداخلت کرتے تو ان کا بھی وہی حشر ہوتا جو لومڑی کے بچوں کا ہوا۔

جب لومڑی لوٹی تو اِن سب جانوروں نے اسے گھیر لیا اور سارا حال اسے کہہ سنایا۔ سنتے ہی لومڑی پر غم کی بجلی ٹوٹ پڑی اور وہ اپنے بچوں کی لاش کے پاس بیٹھ کر زاروقطار رونے لگی۔ سب جانور اسے سمجھانے اور دلاسہ دینے لگے۔

جب لومڑی کی حالت سنبھلی تو اس نے اپنے بچوں کی لاش کو سپرد خاک کیا۔ پھر ان کی قبر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ جب تک وہ اس ظالم اور گھمنڈی گینڈے سے اپنے بچوں کی موت کا انتقام نہیں لے گی، چین

سے نہیں رہے گی۔ دوسرے جانوروں کو جب لومڑی کے ارادہ کا پتہ چلا تو انہوں نے اسے اس خطرناک کام سے باز رکھنا چاہا لیکن لومڑی نے ان کی ایک نہ سنی اور کہا، ''گینڈے نے آج میرے بچوں پر یہ ظلم کیا ہے، کل وہ اسی طرح تمہارے بچوں کے ساتھ بھی کرسکتا ہے۔ ظلم اور غرور کو جتنی جلد ہو سکے جڑ سے ختم کر دینا چاہیے ورنہ وقت کے ساتھ ساتھ وہ بڑھتا ہی جاتا ہے اور اس کے شکار بنتے ہیں ہم جیسے کمزور اور بے بس ! میں مانتی ہوں کہ گینڈا بہت طاقتور ہے اور میں کمزور۔ میں لڑ کر اس سے انتقام نہیں لے سکتی لیکن میں اپنی عقل استعمال کر کے اسے ماروں گی اور مجھے امید ہے کہ میرا خدا ظالم کو ختم کرنے میں میری مدد ضرور کرے گا!''

اس روز دن بھر لومڑی بیٹھی گینڈے سے انتقام لینے کی تدبیریں سوچتی رہی۔ کافی سوچا، کافی سر کھپایا اور عقل استعمال کی تو ایک بہت ہی اچھی تدبیر اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اس نے سوچا کہ لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔ گینڈے کے طاقت کے گھمنڈ کو گھمنڈ سے ہی ختم کرنا چاہیے۔ اس نے اس تدبیر کے تحت ایک پورا منصوبہ اپنے دماغ میں بنالیا اور پھر بڑی بے چینی سے دوسرے دن کا انتظار کرنے لگی۔

دوسرے دن صبح سویرے ہی لومڑی گینڈے کے پاس پہنچ گئی اور اپنا ماتھا اس کے سامنے زمین پر ٹیک کر کہا، ''اے دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور اور عقلمند گینڈے، تیرے چہرے سے ٹپکنے والے نور سے یہ ناچیز لومڑی تجھے پہچان گئی ہے کہ ایک دن تو ضرور ساری دنیا کے جانوروں کا بادشاہ بنے گا! تو بہت عظیم اور طاقتور ہے اور صحیح معنوں میں ہم جانوروں کا بادشاہ بننے کا حق بھی تجھے ہی ہے۔ جنگل کے تمام دوسرے جانور بیوقوف ہیں جواب تک تجھے نہیں پہچان سکے اور اُس بیوقوف شیر کو اپنا بادشاہ مانتے ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن انہیں تیری عظمت کا یقین ہو جائے گا اور وہ سب تیرے آگے سر جھکا دیں گے!'' اس کے بعد لومڑی نے اپنا ماتھا اوپر اٹھایا اور پھر ذرا سا جھک کر بڑے ہی چاپلوسی والے انداز میں بولی، ''اے ساری دنیا کے جانوروں کے بادشاہ! اس ناچیز لومڑی کا سلام قبول فرما!''

لومڑی کے منہ سے اپنی اتنی تعریفیں سن کر گینڈا پھول کر غبارہ ہو گیا۔ اس کا سینہ گھمنڈ سے اکڑ گیا اور

زندگی میں پہلی بار اس نے سوچا کہ سچ مچ جانوروں کا بادشاہ بننے کا حق اسے ہی ہے۔ وہ لومڑی سے بہت خوش ہوا اور بولا، ''ہم نے تمہارا سلام قبول کیا اور چوں کہ تم نے سب سے پہلے ہماری بادشاہت قبول کی ہے اس لیے ہم تمہیں اپنا وزیر مقرر کرتے ہیں۔'' یہ سن کر لومڑی نے اپنے چہرے کے تاثرات سے ایسا ظاہر کیا کہ وہ بہت خوش ہوئی ہے۔ اس نے گینڈے کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

چند دن بیت گئے۔ اس درمیان لومڑی ایک لمحے کے لیے بھی گینڈے سے الگ نہیں ہوئی۔ وہ ہر وقت بس گینڈے کی تعریفوں کے پُل ہی باندھا کرتی۔ کبھی وہ اس کی بے پناہ طاقت کی تعریف کرتی تو کبھی بہادری کی اور جب کبھی کچھ نہ سوجھتا تو اس کی سینگ کی ہی تعریف کرنے لگتی۔ لومڑی کے منہ سے اپنی تعریفیں سن کر گینڈا پھولا نہیں سماتا۔ وہ لومڑی سے بہت خوش تھا اور اس کو اپنا سچا ہمدرد اور وفادار سمجھنے لگا تھا۔ ان چند دنوں میں لومڑی کے پہچان کے دوسرے چھوٹے موٹے جانوروں نے بھی لومڑی کے کہنے پر گینڈے کو بادشاہ تسلیم کر لیا تھا اس لیے اس کو لومڑی پر اور بھی زیادہ اعتماد ہو گیا تھا۔

جنگل کے سرے پر ایک چٹان تھی۔ ایک دن لومڑی گینڈے کو اسی چٹان کے پاس لے آئی۔ پہلے تو اس نے گینڈے کی تعریفیں کرنا شروع کیں اور جب اس کو یقین ہو گیا کہ گینڈا اپنی تعریفیں سن کر گھمنڈ سے پھول گیا ہے تو اس نے کہا، ''اے جانوروں کے سردار! اِس چٹان کے اُس طرف ایک اور جنگل ہے۔ کتنا اچھا ہو اگر آپ اِس جنگل کے ساتھ ساتھ چٹان کے اُس طرف والے جنگل کے بھی بادشاہ بن جائیں! اِس کے لیے ہمیں سب سے پہلے اِس چٹان کو ہٹانا ہوگا اور مجھے یقین ہے کہ یہ چٹان آپ کی ایک ٹھوکر میں چکنا چور ہو کر گر پڑے گی!'' طاقت کے گھمنڈ نے گینڈے کی عقل پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اس نے ایک نظر چٹان پر ڈالی اور بڑے ہی غرور سے بولا، ''یہ چٹان تو میری ایک معمولی ٹھوکر سے چکنا چور ہو جائے گی۔ میں نے اس سے بڑی بڑی چٹانیں توڑی ہیں!'' اتنا کہہ کر گینڈے نے وار کرنے کی غرض سے اپنا سینگ نیچے جھکایا اور

بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا جا کر چٹان سے ٹکرایا۔ چٹان سے ٹکراتے ہی گینڈے کو ایسا لگا جیسے اس کے دماغ میں بم پھٹ گیا ہو۔ اس کا سینگ چٹان میں گھسنے کی بجائے اس کے اپنے سر میں گھس گیا تھا۔ اس کا سر پھٹ گیا اور دماغ کے چیتھڑے اڑ گئے۔ وہ زمین پر ڈھیر ہو کر تڑپنے لگا۔

لومڑی خوشی سے ناچتی ہوئی اس کے پاس آئی اور بولی، ''میں ان دو معصوم بچوں کی ماں ہوں جنہیں تو نے اپنی طاقت کے نشے میں اپنے پیروں سے کچل ڈالا تھا۔ میں نے آج تجھ سے اپنے بچوں کی موت کا بدلہ لے لیا۔'' یہ سن کر گینڈے نے لومڑی سے کچھ کہنا چاہا لیکن زندگی نے ساتھ نہیں دیا اور وہ اپنے گھمنڈ کے انجام کو پہنچ گیا۔

☆

کاہل شیر

آفتاب حسنین

کسی جنگل میں ایک شیرنی رہتی تھی جس کے دو بچّے تھے۔ وہ اپنے دونوں بچوں کو بہت چاہتی تھی اور بڑے لاڈ و پیار سے انہیں پال پوس رہی تھی۔ جب تک بچّے چھوٹے تھے تب تک شیرنی روزانہ ان کے لیے دوسرے جانوروں کا شکار کر کے لاتی اور خوب پیٹ بھر کر انہیں کھلاتی۔ پر جب بچّے تھوڑے بڑے ہوئے تو اس نے انہیں بھی اپنے ساتھ شکار پر لے جانا چاہا تا کہ وہ اپنا شکار خود کرنا سیکھ جائیں۔ بڑا بچّہ تو فوراً تیار ہو گیا لیکن چھوٹا بچّہ، 'میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کچھ دنوں بعد چلوں گا' وغیرہ بہانے کرنے لگا۔ شیرنی بڑے بچّے کو لے کر شکار پر چلی گئی۔

کچھ دن اور بیت گئے پر چھوٹا بچہ پھر بھی شکار پر جانے کے لیے راضی نہیں ہوا۔ دراصل وہ بہت ہی کاہل تھا۔ وہ سوچتا، 'جب بیٹھے بٹھائے کھانے کو مل جاتا ہے تو پھر محنت کیوں کرے۔' شیرنی اسے روزانہ سمجھاتی کہ وہ شیر کا بچّہ ہے اور اسے خوراک حاصل کرنے کے لیے خود ہی جد و جہد کرنی چاہیے ورنہ اس کی عادت میں سستی شامل ہو جائے گی اور اس کی اس کمزوری کا دوسرے جانور فائدہ اٹھائیں گے اور اس کے مقابلے پر بھی آنے لگیں گے۔ چھوٹا بچّہ اپنی ماں کی اس نصیحت کو ایک کان سے سنتا اور دوسرے سے اڑا دیتا۔ وہ سمجھتا کہ اس کی ماں اس سے جلتی ہے اور اسے تکلیف پہنچانے کے لیے غیر ضروری محنت و مشّقت کے کاموں

میں لگانا چاہتی ہے۔

وقت تیزی سے گزرتا گیا اور رفتہ رفتہ شیرنی کے دونوں بچّے بڑے ہو گئے۔ بڑا بچّہ بہت ہی ہوشیار اور پھرتیلا نکلا۔ اس کے برخلاف چھوٹا بچّہ بہت ہی کاہل اور سست تھا۔ وہ اپنی ماں اور بڑے بھائی کے ٹکڑوں پر زندگی گزار رہا تھا۔

ایک دن ایک شکاری جنگل میں آیا اور شیرنی کو اپنی گولی کا نشانہ بنا دیا۔ جب بڑے بچّے کو جواب شیر بن چکا تھا اس حادثہ کا پتہ چلا تو اسے بہت ہی دکھ ہوا۔ اس نے شکاری سے اپنی ماں کا بدلہ لینا چاہا لیکن اس وقت تک شکاری جا چکا تھا۔ ناچار وہ اپنے چھوٹے بھائی کے پاس آیا اور بڑے پیار سے بولا، ''بھائی، ہماری ماں اس لیے ماری گئی کہ بڑھاپے کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہو گئی تھی۔ ماں کے بعد اب دنیا میں صرف تم ہی میرے عزیز ہو اور میں ڈرتا ہوں تمہاری یہ سستی اور کمزوری تمہیں بھی کسی ظالم انسان کا شکار نہ بنا دے۔ اس لیے اب سستی اور کاہلی چھوڑ دو اور میرے ساتھ تمام کاموں مین حصہ لو اور شکار پر چلا کرو۔'' یہ سن کر چھوٹا شیر غصے سے بھڑک اٹھا اور چیخ کر بولا، ''تم مجھ سے حسد کرتے ہو۔ میری پرواہ مت کرو۔ مجھے خدا نے پیدا کیا ہے، وہی میری حفاظت کرے گا اور رزق بھی دے گا۔'' اس پر بڑا شیر بولا، ''بے شک خدا رزّاق ہے۔ اس نے سب کو پیدا کیا ہے اور وہی سب کو رزق بھی دیتا ہے پر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ تم محنت کرو اس کا پھل میں تمہیں دوں گا۔ جب تم رزق کے لیے محنت و جدوجہد ہی نہیں کرو گے تو وہ تمہیں رزق کہاں سے دے گا؟'' اس پر چھوٹا شیر تنک کر بولا، ''مجھے یہ نصیحت دینے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنا اچھا برا خوب سمجھتا ہوں۔'' اپنے چھوٹے بھائی کی اس ہٹ دھرمی پر بڑے شیر کو بہت دکھ ہوا اور وہ خاموش ہو کر چلا گیا۔

دن گزرتے گئے۔ بڑا شیر جب بھی کوئی شکار کرتا، چھوٹے بھائی کا حصہ اس کے پاس ضرور پہنچا دیتا اور وہ بے حیائی کا لباس پہن کر اسے خوب مزے سے کھاتا۔ کچھ دن بعد بڑے شیر کے بیوی بچّے ہو گئے۔ اب اسے اپنے بچّوں کو بھی کھلانا پڑتا تھا اور اپنے چھوٹے بھائی کو بھی۔

چنانچہ کبھی کبھی اس کے ننھے منّے بچّے بھوکے رہ جاتے۔ بچّوں کو بھوک سے تڑپتے دیکھ کر رفتہ رفتہ

بڑے شیر نے اپنے چھوٹے بھائی کی بری عادتوں سے تنگ آ کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

اب چھوٹا شیر بھوکا مرنے لگا۔ حرام کا کھا کھا کر وہ اتنا کاہل اور سست ہو گیا تھا کہ اپنی خوراک کی تلاش میں جانے کے لیے اس کی ہمّت ہی نہیں ہوتی تھی۔ چھوٹے موٹے خرگوش، گیدڑ اور لومڑی جیسے جانور جو انجانے میں اس کے پاس آ جاتے انہیں پکڑ کر وہ ہڑپ کر جاتا، پھر بھی اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ کئی کئی دن تو اسے یہ چھوٹے موٹے جانور بھی نصیب نہیں ہوتے۔ اس طرح بھوکے رہ رہ کر وہ کمزور ہونے لگا اور ایک دن ایسا بھی آیا کہ اس میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہیں رہی۔ اس کی حالت مردوں سے بدتر ہو گئی۔

ایک دن ایک بھوکا چوہا اس کے قریب سے گزرا اور اسے بے حس و حرکت دیکھ کر مردہ سمجھ بیٹھا اور اس کے کان کتر کتر کر کھانے لگا۔ چھوٹے شیر کو تکلیف محسوس ہوئی۔ آنکھ کھول کر دیکھا تو ایک حقیر چوہا اس کا کان کتر کتر کر کھا رہا تھا۔ چھوٹے شیر کو بڑا غصہ آیا لیکن کمزوری کی وجہ سے حرکت بھی نہیں کر سکا۔ پیٹ بھرنے کے بعد چوہے نے ایک لمبی ڈکار لی اور دوڑتا ہوا اپنے بھوکے ساتھیوں کے پاس آیا اور انہیں بھی یہ خوش خبری سنا دی۔ وہ سب کے سب خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے شیر کے پاس آ گئے اور جسے جہاں موقع ملا بے تحاشہ شیر کی کھال کتر کتر کر کھانے لگا۔ غصے اور تکلیف سے چھوٹے شیر کا برا حال تھا۔ وہ ان حقیر چوہوں کو سزا دینا چاہتا تھا لیکن اس کی کاہلی نے اس وقت اسے چوہوں سے بھی کمزور بنا دیا تھا۔

چوہوں کو اس کی کھال کترتے دیکھ کر بہت سے چھوٹے گوشت خور جانوروں نے بھی اس پر حملہ کر دیا۔ چھوٹا شیر ذرا سی بھی حرکت نہیں کر سکا۔ وہ اپنی ان غلطیوں پر پچھتاتا رہا جن کی وجہ سے وہ آج اس حال کو پہنچا تھا کہ حقیر سے حقیر جانور بھی اسے اپنے سے حقیر جان کر اپنی خوراک بنا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ حقیر اور ڈرپوک قسم کے جانور، جنگل کے اس راجہ کو جو اپنی کاہلی اور آرام طلب عادتوں کی وجہ سے آج اس عبرتناک مقام کو پہنچا تھا، چٹ کر گئے۔ سچ ہے، 'کاہل کا حشر ہمیشہ برا ہوتا ہے!'

☆

چور بندر

آفتاب حسنین

ایک دن ایک سپیرا سانپ پکڑنے کے لیے جنگل میں گیا۔ صبح سے دوپہر تک سانپ کی تلاش میں وہ جنگل میں بھٹکتا رہا لیکن اسے ایک بھی سانپ نظر نہیں آیا۔ دیر تک بھٹکنے کی وجہ سے وہ تھک کر چور ہو چکا تھا۔ بھوک اور پیاس بھی زور کی لگی تھی۔ پاس ہی ایک سایہ دار پیڑ تھا۔ کھانے اور آرام کرنے کے لیے وہ پیڑ کے نیچے آ گیا۔ اس کے پاس ایک مٹی کی ہانڈی تھی جس میں اس نے دوپہر کے کھانے کے لیے دہی اور روٹی محفوظ کر رکھی تھی۔ سپیرے نے ہانڈی کے منہ پر بندھا انگوچھا کھولا اور دہی روٹی نکال کر بڑے مزے سے کھانے لگا۔ پیٹ بھرتے ہی اس کی جان میں جان آ گئی اور اعصاب پر کھانے کا سرور چھانے لگا چنانچہ ہانڈی ایک طرف رکھ کر وہ ستانے کے لیے لیٹ گیا۔

ابھی اسے لیٹے ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کہ سانپ کی پھنکار سن کر وہ پھرتی سے اٹھ بیٹھا۔ اس کی نگاہیں چاروں طرف تیزی سے سانپ کو تلاش کرنے لگیں پھر پاس کی جھاڑی میں ایک سانپ کو دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ سانپ اگرچہ چھوٹا سا تھا لیکن زرد رنگ سے بہت ہی زہریلا معلوم ہوتا تھا۔ سپیرے نے اپنی بین سنبھالی اور دبے قدموں چلتا ہوا جھاڑی کے قریب پہنچ گیا اور سانپ کے ہوشیار ہونے سے پہلے ہی اس کے سامنے جھوم جھوم کر بین بجانے لگا۔

سپیرے کو جھومتا دیکھ کر سانپ بھی جھومنے لگا۔ اس پر مدہوشی چھانے لگی اور یہاں تک کہ وہ ایک دم

مست ہو گیا۔ اس کو مدہوش دیکھ کر سپیرے کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اس نے بین ایک طرف رکھ دی اور پھرتی سے سانپ کا پھن پکڑ لیا۔ سانپ نے اپنے بل کھائے ہوئے جسم سے سپیرے کے ہاتھ کو گرفت میں لینا چاہا۔ سپیرے نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور پٹاری کو دور دیکھ کر سانپ کے آزاد ہونے یا ڈسنے سے پہلے ہی اسے اپنی کھانے والی ہانڈی میں ڈال کر اس کے منہ پر انگوچھا کس دیا۔ اس کے بعد سکون کی سانس لے کر وہ پیڑ کے نیچے لیٹ گیا۔ لیٹے ہی لیٹے نہ جانے کب اس کو نیند آ گئی اور وہ بے خبر سو گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک بندر اچھلتا کودتا اس پیڑ پر آ چڑھا۔ کچھ دیر تک وہ مختلف شاخوں پر اچھل کود کرتا رہا پھر ایک شاخ پر بیٹھ کر نیچے دیکھنے لگا۔ سپیرے پر سے ہوتی ہوئی اس کی نگاہیں ہانڈی پر ٹھہر گئیں۔ ہانڈی پر جگہ جگہ دہی کے دھبے دیکھ کر اس کے منہ میں پانی آ گیا۔ اس کی نیت خراب ہو گئی اور وہ ہانڈی کے لزیز کھانے پر قبضہ جمانے کے لیے آہستہ آہستہ ہانڈی کے پاس آ گیا۔ سپیرا گہری نیند سو رہا تھا۔ بندر موقع کا فائدہ اٹھا کر ہانڈی لے کر ایک ہی چھلانگ میں پیڑ پر پہنچ گیا۔ ہانڈی سے دہی کی خوشبو ابھی تک آ رہی تھی۔ یہ سوچ کر کہ آج اس نے بہت ہی اچھی چیز پر ہاتھ مارا ہے، بندر خوشی سے پھولا نہیں سمایا۔ وہ کھانے کے لیے اتنا بے تاب ہوا کہ ایک ہی جھٹکے میں ہانڈی کے منہ پر بندھا انگوچھا کھول ڈالا۔ سانپ بہت ہی غصے میں تھا۔ انگوچھا کھلتے ہی اس نے اپنا پھن تیزی سے باہر نکالا اور بندر کو ڈس لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا زہر بندر کے تمام جسم میں پھیل گیا۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ مردہ ہو کر مع ہانڈی کے بے خبر سوئے سپیرے کے اوپر آ گرا۔ اس آفت ناگہانی سے سپیرے کی نیند ہوا ہو گئی۔ کچھ دیر تک اس کی حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھیں مردہ بندر اور مٹی کی ہانڈی کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو دیکھتی رہیں، پھر اس نے اوپر دیکھا، جہاں اس کا انگوچھا ابھی تک ایک شاخ سے الجھا لٹک رہا تھا۔ سانپ کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ سپیرا پوری بات سمجھ گیا۔ اس نے ایک بار پھر مردہ بندر کی طرف دیکھا اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا، 'چوری کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے!'

☆

ظالم چیل

آفتاب حسنین

ایک پیڑ پر ایک چڑیا رہتی تھی۔ پیڑ پر اس نے گھاس پھوس کا ایک گھونسلا بنا رکھا تھا اور اس میں اس کے دو ننھے منّے بچّے بھی تھے۔ اِن بچّوں کو دنیا میں آئے ابھی چند دن ہی ہوئے تھے۔ پہلے بچے ہونے کی وجہ سے چڑیا اپنے بچّوں سے بہت پیار کرتی تھی اور انہیں بڑے لاڈ و پیار سے پال پوس رہی تھی۔ وہ دانے چن چن کر لاتی اور بڑے پیار سے انہیں کھلاتی تھی۔

یہ چڑیا بہت ہی نیک اور رحم دل تھی۔ اکثر دوسروں کے دکھ درد میں کام آتی رہتی۔ چھوٹے موٹے کیڑے مکوڑے ہمیشہ اس کی رحم دلی کا گن گایا کرتے تھے۔ ظلم سے بھی اسے سخت نفرت تھی اور ہمیشہ اس کی یہی کوشش رہتی کہ ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا ضرور ملے۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی جب چڑیا اپنے بچّوں کے لیے دانے لے کر لوٹی تو یہ دیکھ کر وہ غم سے پاگل ہوگئی کہ ایک چیل پیڑ پر بیٹھی اس کے لاڈلے بچّوں کو چٹخارے لے لے کر کھا رہی ہے۔ غم سے نڈھال ہو کے چڑیا کے منہ سے سارے دانے گر گئے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس وقت تک چیل اس کے بچّوں کو آدھے سے زیادہ کھا چکی تھی۔ چڑیا چیل کے پاس آئی اور روتی ہوئی بولی، ''ظالم یہ تو نے کیا کِیا؟ میرے معصوم

بچّوں نے تیرا کیا بگاڑا تھا جو تو نے اِن ننھی جانوں کو سخت سزا دی۔'' یہ سن کر چیل نے چڑیا کو خونخوار نظروں سے گھورا اور چیخ کر بولی، ''یہاں سے فوراً چلی جا ورنہ تیرے بچّوں کی طرح تجھے بھی کھا جاؤں گی!'' یہ کہتے ہی وہ چڑیا پر جھپٹ پڑی۔ چڑیا فوراً پُھر سے اُڑ گئی اور اس کے چنگل میں آنے سے بال بال بچی۔ چڑیا کے جاتے ہی چیل نے دونوں بچّوں کو بڑے اطمینان سے کھایا اور پھر اپنی راہ چلی گئی۔

اس حادثہ سے چڑیا پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ کئی دن تک وہ اتنی غمگین اور اداس رہی کہ ایک دانہ بھی حلق سے نہیں اتر سکا۔ ہر وقت بچّوں کو یاد کر کے رویا کرتی یا کسی ڈالی پر اکیلی گم صم سی بیٹھی رہتی۔ چند دن بعد اس کی کچھ حالت سنبھلی اور اس نے اس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ چھوڑ دیا کہ وہی اس ظالم چیل کو سزا دے گا۔

اس واقعہ کے بعد چیل چڑیا کے پیچھے ہی پڑ گئی۔ چند مہینوں کے بعد چڑیا نے پھر انڈے دیئے۔ کئی دنوں تک وہ ان انڈوں کو سیتی رہی اور ایک دن انڈوں میں سے بچّے بھی نکل آئے۔ ان بچّوں کو دیکھتے ہی چڑیا پرانا غم بھول گئی اور پہلے سے زیادہ لاڈ پیار سے اپنے ان بچّوں کو پالنے لگی لیکن یہ خوشی بھی اس کی قسمت میں زیادہ دنوں تک نہیں تھی۔ ابھی ان معصوم جانوں کو دنیا میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ایک دن جب کہ چڑیا ان کے لیے دانے لانے گئی تھی، اچانک آ کر چیل انہیں بھی کھا گئی۔ واپس آ کر چڑیا کو اس حادثے کا علم ہوا تو ایک بار پھر اس پر غم کی بجلی ٹوٹ پڑی۔ مجبور و بے بس چیل سے انتقام تو نہیں لے سکی، ہاں بہت دنوں تک بچّوں کے غم کی آگ میں خود ہی جلتی رہی اور جب حالت سنبھلی تو اس ناانصافی کا فیصلہ بھی خدا کے سپرد کر دیا۔

اس کے بعد ایک بار پھر یہی ہوا۔ اب تو چڑیا ہمیشہ ہی اداس رہنے لگی۔ نہ ہنستی تھی، نہ بولتی تھی۔ ڈالی ڈالی چہچہانا اور خوشی کے گیت گانا اس کے لیے خواب و خیال بن کر رہ گیا۔ ہر وقت خاموش خاموش اپنے خیالوں میں کھوئی رہتی تھی۔

ایک دن وہ ایک تالاب پر سے گزر رہی تھی اور اس نے دیکھا کہ ایک شہد کی مکّھی

پانی کی لہروں میں الجھی ہوئی جان بچانے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔اس کا ننھا سا دل پیار سے پھڑ پھڑا اٹھا۔ وہ پانی کے سطح کے قریب پہنچی اور شہد کی مکھی کو اپنے پنجے میں اٹھا کر خشکی پر لے آئی۔ کچھ دیر تک مکھی اپنے حواس پر قابو پاتی رہی پھر چڑیا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ احسان مند لہجے میں بولی، ''چڑیا بہن، تم نے میری جان بچا کر مجھ پر اور میرے بچّوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میں مر جاتی تو میرے معصوم بچّے بھی بے موت مر جاتے۔''

مکھی کی بات سن کر چڑیا کو اپنے بچّے یاد آ گئے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ چڑیا کو روتے دیکھ کر پہلے تو مکھی حیرت زدہ رہ گئی پھر کچھ سوچ کر بڑے پیار سے اس کے رونے کا سبب پوچھنے لگی۔ چڑیا نے اپنی ساری داستان غم سنا دی۔ سن کر مکھی کو بہت ہی دکھ ہوا اور وہ اسے تسلّی دیتے ہوئے بڑے خلوص اور احسان مندی سے بولی، ''بہن، تم نے میری جان بچا کر مجھ پر احسان کیا ہے۔ میں احسان کا صلہ تو نہیں دے سکتی لیکن چیل سے اس کے ظلم کا بدلہ لینے میں تمہاری بھرپور مدد ضرور کروں گی۔ اس کام میں اگر میری جان بھی چلی گئی تو مجھے خوشی ہوگی۔'' مکھی کا خلوص دیکھ کر چریا کا دل بھر آیا اور اس کے ننھے ننھے بچوں کا خیال کر کے چڑیا نے اسے اس خطرناک کام سے روکنا چاہا پر مکھی نہیں مانی۔ وہ بولی، ''میرے بچّوں کی فکر مت کرو، ان کا اللہ مالک ہے۔ بہن، میں تمہیں اپنے خلوص کی قسم دیتی ہوں کہ اس بار جیسے ہی تمہارے بچّے ہوں، مجھے فوراً ہی خبر کر دینا کیوں کہ وہ ظالم چیل پھر تمہارے بچّوں پر ظلم کرنے کی کوشش کرے گی اور یہ ظلم میں اب ہرگز بھی تم پر ہونے نہیں دوں گی۔'' اس کے بعد دونوں اپنے اپنے گھروں کی طرف چلی گئیں۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ تھوڑے دنوں بعد ہی چریا نے پھر انڈے دئے اور ان انڈوں میں سے ننھے منّے بچّے بھی نکل آئے۔ اس مرتبہ چڑیا پھولی نہیں سمائی اور اس سے پہلے کہ چیل اس کے بچّوں پر حملہ کرتی اس نے فوراً ہی شہد کی مکھی کو اطلاع کر دی۔ مکھی نے پہلے سے ہی شہد کی مکّھیوں کی ایک بڑی فوج تیار کر رکھی تھی اور اس وقت کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھی۔ خبر ملتے ہی وہ اپنی فوج کو لے کر اڑی اور جس پیڑ پر چڑیا کا گھونسلہ تھا

اس کے پتّے پتّے میں تمام شہد کی مکھیوں کو چھپا کر چیل کا انتظار کرنے لگی۔

چند دنوں تک تو چیل کا سایہ تک نظر نہیں آیا پھر جیسے ہی بچّوں نے چیں چیں کی آواز نکالنا شروع کیں، ان کی آواز سنتے ہی چیل دندناتی ہوئی آ گئی۔ چڑیا بھی اس وقت بچوں کے پاس گھونسلے میں ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ چیل کو دیکھتے ہی وہ بولی، ''اے چیل، تو مجھ پر اور میرے بچّوں پر بہت ظلم کرتی ہے اور ظلم خدا کو بلکل پسند نہیں ہے۔ میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ یہ بری عادت چھوڑ اور خدارا تو خود بھی سکون سے رہ اور مجھے بھی سکون سے رہنے دے!'' یہ سنتے ہی چیل نے بڑے گھمنڈ سے کہا، ''اپنی نصیحت اپنے پاس ہی رہنے دے۔ میں تو بس صرف اتنا ہی جانتی ہوں کہ خدا نے مجھے طاقت دی ہے تو مجھے اس کا پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اپنی خیریت چاہتی ہے تو اپنے بچّوں کو میرے حوالے کر دے۔'' چڑیا کو اب بھی چیل پر ترس آ رہا تھا اس لیے اس نے پھر سمجھانے کی کوشش کی، ''دیکھ بہن، میں پھر کہتی ہوں کہ خدا نے طاقت اس لیے نہیں دی ہے کہ اس کا ناجائز استعمال کیا جائے۔ ظلم کی عمر بہت کم ہوتی ہے اور اس سے پہلے کہ تجھ پر بھی کوئی تباہی آئے میری بات مان کر ظلم سے توبہ کر لے اور تو دیکھے گی کہ اس میں تیرا ہی فائدہ ہے!'' چیل اپنی طاقت کے نشے میں چور تھی۔ چڑیا کی نصیحت اسے اتنی بری لگی کہ غصہ میں آ کر وہ چڑیا اور اس کے بچّوں پر جھپٹ پڑی۔

مکّھی دیر سے اسی موقعے کا انتظار کر رہی تھی۔ چیل کو جھپٹتے دیکھ کر وہ تمام مکھیوں کے ساتھ تیزی سے پتّوں کی آڑ سے نکلی اور چیل سے چمٹ گئی اور سب نے کاٹ کاٹ کر اس کا برا حال کر دیا۔ چیل نے زور سے پر پھڑ پھڑا کر انہیں اپنے بدن سے جھٹکنے کی پوری کوشش کی لیکن مکھیاں علحدہ ہونے کے لیے نہیں بلکہ اس کا خاتمہ کرنے کے لیے اس سے چمٹی تھیں۔ چنانچہ جتنا چیل انہیں جھٹکنے کی کوشش کرتی اتنا ہی زیادہ زور سے وہ اسے کاٹتیں۔

چیل بے بسی سے چیختی، چلاتی اور پر پھڑ پھڑاتی رہی۔ موت کو سر پر دیکھ کر اس کو اپنی سنگدلی کا ایک ایک واقعہ یاد آنے لگا۔ جان بچانے کے لیے اس نے مکّھیوں کی بڑی عاجزی اور خوشامد کی لیکن

جیسے اس نے کسی پر رحم نہیں کیا تھا، کسی مکھی کو بھی اس پر ترس نہیں آیا۔ شہد کی مکھیوں نے کاٹ کاٹ کر تھوڑی دیر بعد ہی اسے اس کے ظلم کے انجام تک پہنچا دیا!

چیل کے مرتے ہی چڑیا خوش ہو کر اپنی سہیلی مکھی کے پاس آئی اور اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد مکھی اپنی تمام ساتھی مکھیوں کو لے کر اپنے گھر لوٹ گئی اور چڑیا اپنے بچّوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگی۔

بے ایمان لومڑی

آفتاب حسنین

کسی جنگل میں ایک کتا اور ایک لومڑی رہا کرتے تھے۔ دونوں بہت گہرے دوست تھے۔ وہ ایک ساتھ کھاتے، ایک ساتھ گھومتے پھرتے اور ایک ساتھ رہتے تھے۔ جنگل کے دوسرے جانوروں میں ان کی دوستی کا بڑا چرچا تھا۔ جس جانور کو دیکھو وہ ان کی دوستی کی مثال دیا کرتا، 'دوستی ہو تو ایسی!'

کُتّا بہت ہی نیک اور وفادار تھا۔ وہ لومڑی کے ساتھ اپنی دوستی کا فرض ایمانداری سے نبھا رہا تھا لیکن لومڑی کے دل میں کالا تھا۔ اس نے کُتّے سے دوستی صرف اس لیے کی تھی کہ جنگل کے دوسرے کُتّے اور جانور اسے پریشان نہ کریں۔ لومڑی بہت ہی بے وفا اور بے ایمان تھی پر بے چارا سیدھا سادا کُتّا اسے سمجھ نہیں پاتا تھا۔ وہ لومڑی کو بہت ہی نیک اور وفادار ہی سمجھتا تھا۔

ایک دن ایک بندر نے کُتّے اور لومری کو اپنے گھر کھانے کی دعوت دی۔ دوسرے سب کھانوں کے ساتھ بندر نے حلوہ بھی پکایا تھا۔ دونوں کو اور خاص کر لومڑی کو حلوہ بہت پسند آیا۔ خوب پیٹ بھر کھانے کے بعد کُتّے اور لومڑی نے بندر کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور اپنے راستے ہو لیے۔ لومری کا پیٹ تو بھر گیا تھا پر نیت نہیں بھری تھی۔ راستے میں وہ ایک جگہ رک گئی اور کُتّے سے بولی، ''میرا اور حلوہ کھانے کا جی چاہ رہا ہے، چلو دوبارہ

بندر کے گھر چلتے ہیں۔'' اس پر کُتّے نے کہا، ''نہیں.....دوبارہ بندر کے گھر جانا مناسب نہیں رہے گا۔ اگر تم کو حلوہ کھانا ہی ہے تو کل صبح ہم بندر سے حلوہ پکانے کا نسخہ پوچھ کر اپنے گھر پکالیں گے اور خوب جی بھر کر کھائیں گے۔'' لومڑی کا جی تو نہیں مانا لیکن مجبوراً وہ کُتّے کے ساتھ گھر آ گئی۔

دوسرے دن صبح سویرے ہی کُتّے نے جا کر بندر سے حلوہ پکانے کا نسخہ پوچھ لیا۔ بندر نے چار پانچ قسم کے پھل اور دو چار قسم کی جڑیں بتائی تھیں۔ کُتّے نے آ کر لومڑی کو بتایا اور کہا، ''چلو ہم لوگ پھل اور جڑیں تلاش کر کے لاتے ہیں۔'' اس پر لومڑی بولی، ''ایک کام کرو، تم جڑیں لے کر آؤ تب تک میں پھل توڑ لاتی ہوں۔''

کُتّا فوراً جڑیں لانے کے لیے چلا گیا۔ کافی تلاش کے بعد جو جڑیں بندر نے بتائی تھیں وہ کُتّے کو مل گئیں۔ وہ جڑوں کو لے کر گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ لومڑی بے خبر سو رہی ہے اور پھلوں کا کہیں پتہ نہیں۔ کُتّے نے لومڑی کو جگایا اور پھلوں کے بارے میں پوچھا تو وہ بولی، ''میری ذرا آنکھ لگ گئی تھی اس لیے پھل لا نہ سکی۔ ایک کام کرو تم جا کر پھل لے آؤ تب تک میں چولھا جلا کر رکھتی ہوں۔''

کُتّا پھل لانے چلا گیا۔ قریب ایک گھنٹے کے بعد جب وہ پھل لے کر لوٹا تو پھر لومڑی کو سوتا پایا۔ اس نے لومڑی کو جگایا۔ لومڑی نے اٹھتے ہی کہا، ''میں نے چولھا جلانے کی کافی کوشش کی پر وہ جلا ہی نہیں، آخر تھک کر میں سو گئی۔ ایک کام کرو تم پانی لے آؤ تب تک میں پھر چولھا جلانے کی کوشش کرتی ہوں۔''

جب کُتّا پانی لے کر لوٹا تو کیا دیکھتا ہے کہ لومڑی چولھے کے پاس بیٹھی اونگھ رہی ہے۔ کُتّے کے آتے ہی وہ چونک کر فوراً بولی، ''اس چولھے نے تو پریشان کر دیا ہے۔ کمبخت جلنے کا نام ہی نہیں لیتا۔'' اس پر سیدھا سادا کُتّا بولا، کوئی بات نہیں۔ میں کوشش کر دیکھتا ہوں۔'' اس کے بعد کُتّے نے چولھا جلایا، ہانڈی میں پانی بھر کر چولھے پر چڑھایا اور پھلوں اور جڑوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اس میں چھوڑ دیئے۔ حلوہ پکنے لگا۔ جیسے جیسے حلوہ پکتا جا رہا تھا، لومڑی کی لالچی نگاہیں تیز ہوتی جا رہی تھیں اور اس کے منہ میں پانی بھرتا جا رہا تھا۔

آخر حلوہ پک کر تیار ہو گیا۔ کُتّے نے ہانڈی چولھے پر سے نیچے اتاری اور لومڑی سے بولا، ''چلو، حلوہ آدھا آدھا بانٹ کر کھا لیتے ہیں۔'' لومڑی فوراً ہی تیار ہو گئی لیکن پھر کچھ سوچ کر بولی، ''ایک کام کرو، کل بندر نے ہم دونوں کو دعوت دی تھی کیوں نہ آج ہم بندر کو دعوت دے دیں۔ جاؤ اور فوراً بندر کو اپنے ساتھ لے آؤ۔'' یہ بات کُتّے کو بھی اچھی لگی۔ اس نے لومڑی سے کہا، ''ٹھیک ہے، میں بندر کو لے کر آتا ہوں تب تک تم گھر کی صفائی کر ڈالو۔'' یہ کہہ کر کُتّا چلا گیا۔

کُتّے کے جاتے ہی لومڑی نے گھر کی صفائی کرنے کی بجائے حلوہ صاف کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اپنا منہ حلوے کی ہانڈی میں ڈالا اور جلدی جلدی کھانے لگی۔ اس کی نیت خراب ہو گئی تھی۔ وہ پورا حلوہ اکیلے ہی کھانا چاہتی تھی اسی لیے تو اس نے کُتّے کو بہانہ بنا کر بندر کو لانے بھیج دیا تھا۔ اس نے کُتّے کو دھوکا دیا تھا، اس کے ساتھ بے ایمانی کی تھی۔

کچھ دیر بعد کُتّا بندر کو ساتھ لے کر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ حلوے کی ہانڈی صاف ہے اور پاس ہی لومڑی مری پڑی ہے۔ اس کا بدن ایک دم نیلا پڑ گیا ہے۔ کُتّے کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ یہ ماجرا کیا ہے لیکن چالاک بندر فوراً سب کچھ سمجھ گیا۔ اس نے کُتّے سے پوچھا، ''تم نے حلوے میں کیا کیا ڈالا تھا، مجھ کو بتاؤ۔'' کُتّے نے بندر کو لے جا کر جن پیڑوں کے پھل توڑے تھے بتائے، پھر جن پیڑوں کی جڑیں توڑی تھیں وہ بھی بتائیں۔ آخری پیڑ کے پاس بندر رک گیا اور بولا، ''یہ غلط پیڑ کی جڑ تم نے توڑی تھی۔ اس پیڑ کی جڑ زہریلی ہے۔'' یہ سن کر کُتّا ایک دم حیران ہو گیا۔ بندر نے آگے کہا، ''لومڑی نے تمہیں دھوکا دیا، تمہارے ساتھ بے ایمانی کی اور اس کی سزا اس کو ملی۔'' اتنا کہہ کر بندر اپنے راستے ہو لیا۔ کُتّا بھی اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔

☆

مغرور چیونٹی

آفتاب حسنین

کسی دیوار میں ایک دراڑ تھی اور اس میں بہت سی چیونٹیوں نے اپنا گھر بنا لیا تھا۔ ان میں ایک مغرور اور موٹی چیونٹی بھی شامل تھی۔ اسے اپنی طاقت اور ذہانت پر بڑا غرور تھا اور اکثر غول کا سردار بننے کا سوچا کرتی لیکن غول کی سردار چیونٹی اتنی عقلمند اور رحم دل تھی کہ اس کے آگے موٹی چیونٹی کی ایک نہیں چلتی۔ اس کے سازشی ذہن نے بڑے بڑے لالچ دے کر تمام چیونٹیوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کئی بار کوشش کی لیکن چیونٹیاں اپنی سردار سے اتنی محبت کرتی تھیں کہ ایک بھی چیونٹی اس کے ورغلانے میں نہیں آئی۔ نرمی سے کام نہیں بن سکا تو اپنی طاقت کے سہارے یہ ان پر ظلم و ستم کرنے لگی۔ وقت بے وقت کسی نہ کسی کو مارنے لگتی اور موقع ملتے ہی ان کا دانہ چھین لیتی۔ تھوڑے ہی دنوں میں سارے غول میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ ہر چیونٹی اس کے ظلم سے تھرانے لگی۔ جب بہت جینا دشوار ہو گیا تو ایک دن تمام چیونٹیاں فریاد لے کر سردار کے پاس پہنچ گئیں۔

سردار پوری توجہ اور ہمدردی سے ایک ایک کی شکایت سنتی رہی پھر بڑے خلوص اور سنجیدگی سے بولی، ''بہنو! تمہاری دکھ بھری کہانی سن کر بہت ہی دکھ ہوا اور یہ تمہارا ہی نہیں میرا ابھی غم ہے۔ میری یہی خواہش ہے کہ مجرم کو سخت سے سخت سزا دی جائے اس لیے میں اس کا فیصلہ خدا کے سپرد کرتی ہوں کیوں کہ وہی بہتر انصاف

کرنے والا ہے!'' پھر سردار چیونٹی انہیں صبر کے فائدے بتا کر صبر کرنے کی نصیحت کرنے لگی۔ تمام چیونٹیوں کو اپنی سردار کی نیک دلی اور عقلمندی پر پورا بھروسہ تھا چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہ اپنی سردار کی باتوں کو گرہ میں باندھ کر اپنے اپنے گھروں کو ہنسی خوشی چلی گئیں۔

ایک دن کا واقعہ ہے۔ سردار چیونٹی چند چیونٹیوں کے ساتھ مل کر ایک بڑا سا دانہ دیوار پر چڑھانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ اتنا وزنی تھا کہ چڑھاتے چڑھاتے وہ بار بار تھک کر نڈھال ہو جاتیں۔ اس وقت بھی وہ ایک جگہ ٹھہر کر اکھڑی ہوئی سانس درست کرنے کی کوشش کر رہی تھیں کہ اتفاق سے موٹی مغرور چیونٹی بھی ادھر آ نکلی اور انہیں ہانپتے کانپتے دیکھ کر سردار کا مذاق اڑاتے ہوئے بڑے غرور سے کہنے لگی، ''ہونہہ..... ایک معمولی سا دانہ تم لوگوں سے نہیں لے جایا جا رہا ہے۔ میں سردار ہوتی تو پلک جھپکتے میں اوپر پہنچا دیتی!'' سردار کی اس توہین کو چیونٹیاں برداشت نہیں کر سکیں اور غضبناک ہو کر اس کے گھمنڈ کا سبق دینے کے لیے اس پر دانہ لڑھکانہ چاہا لیکن سردار نے انہیں فوراً ہی روک دیا، ''بہنو، ذرا اور صبر سے کام لو۔ صبر کا پھل بہت ہی میٹھا اور غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ اللہ پر بھروسہ رکھو، وہ اس کے غرور کو بھی بہت جلد خاک میں ملا دے گا۔'' وہ اپنی ساتھیوں کو سمجھاتی ہوئے آہستہ سے بولی۔ چیونٹیوں کا سارا غصہ جاتا رہا اور وہ موٹی چیونتی کی طرف سے نظریں ہٹا کے سردار کے ساتھ دانہ اوپر گھسیٹنے لگیں۔ انہیں خاموشی سے جاتے دیکھ موٹی چیونٹی کا حوصلہ اور بڑھ گیا۔ وہ یہ سمجھی کہ سردار اور اس کی ساتھی اس سے ڈر گئیں۔ اس لیے وہ ان کے پاس جا کے سردار کی اور بھی ہنسی اڑانے لگی، ''تم لوگ بیوقوف ہو جو ایسی کمزور اور مریل کو اپنا سردار بنایا ہے جو تمہارے ساتھ مل کر بھی ایک معمولی سا بوجھ نہیں گھسیٹ سکتی۔ مجھے اپنا سردار بنا لو تو میں اس بوجھ کو اکیلے ہی اوپر پہنچا سکتی ہوں۔''

یہ سنتے ہی سردار چیونٹی کے ہونٹوں پر سنجیدہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ایک نظر نیچے ڈالی جہاں ایک گندی نالی بہہ رہی تھی۔ پھر وہ کچھ سوچ کر موٹی چیونٹی سے بڑی نرمی سے بولی، ''بہن، تم سچ کہتی ہو۔ واقعی اب میں بہت کمزور ہو چکی ہوں اور سرداری نہیں کر سکتی۔ اگر تم اس دانے کو اوپر پہنچا دو تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ

میں اور غول کی تمام چیونٹیاں تمہیں اپنا سردار تسلیم کر لیں گے۔'' سردار کی بات سن کر مغرور چیونٹی خوشی سے اور پھول گئی۔ اس کے سردار بننے میں اب زیادہ دیر نہیں تھی۔ سردار کے خاموش ہوتے ہی اس نے جھپٹ کر چیونٹیوں سے دانہ لے لیا لیکن دانہ سنبھالتے ہی جیسے اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ بھاری بوجھ سے اس کا بدن تھرانے لگا۔ دانے کو سنبھالنا اور دیوار پر ہاتھ پاؤں جمائے رکھنا دشوار ہو گیا۔ اپنی غلطی پر بہت پچھتائی۔ دانہ نہیں سنبھالا گیا تو سردار چیونٹی اور اس کے ساتھیوں کو مدد کے لیے آواز دینا چاہی لیکن اس سے پہلے ہی اس کے ہاتھ پیر دیوار سے اکھڑ گئے اور وہ ہوا میں چکراتی ہوئی دانے کے ساتھ نیچے گندی نالی میں جا پڑی اور ابھی ہوش بھی ٹھکانے نہیں آئے تھے کہ ایک بھوکا کیڑا جو شکار کی تلاش میں قریب ہی تیر رہا تھا خدا کی بھیجی ہوئی نعمت سمجھ کر اسے فوراً چٹ کر گیا!

بُــری عــادت

آفتاب حسنین

گدھے نے بڑے پیار سے خرگوش کو اپنے پاس بلایا۔ کچھ دیر تک اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اور پھر اُسے غافل پاتے ہی ایک زوردار لات ماردی۔ بے چارہ چھوٹا سا خرگوش، بھاری بھرکم گدھے کی زوردار لات پڑتے ہی گیند کی طرح اُچھل کر دور جا گرا۔ کئی پسلیاں ٹوٹ جانے سے وہ بُری طرح تڑپنے اور کراہنے لگا۔ اپنی اس شرارت پر گدھا بہت ہی خوش ہوا اور زوردار ٹھٹّھا لگاتا ہوا ایک طرف کو چلا گیا۔

گدھے کی یہ شرارتی عادت بہت پرانی تھی۔ وہ کھڑے کھڑے بلا وجہ کسی کو بھی لات مار دیتا تھا۔ جنگل کے سبھی چھوٹے بڑے جانور اُس کی اِس شرارت سے اکثر پریشان رہتے۔ کچھ بزرگ اور جہاں دیدہ گدھوں نے کئی بار سمجھایا بھی، لیکن وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ جب بھی کوئی اُسے سمجھاتا، وہ یہ کہہ کر ٹال جاتا، ''کیا کروں، یہ میری عادت بن گئی ہے اور اپنی اس عادت کے ہاتھوں میں مجبور ہوں!'' اسی طرح کی باتوں سے وہ نصیحت کرنے والوں کو بے وقوف بنا کر من ہی من بہت خوش ہوتا، لیکن بزرگ آخر بزرگ ٹھہرے۔ اس کی عیّارانہ مسکراہٹ بھری باتوں سے وہ اس کی شرارت کو تاڑ جاتے اور سمجھاتے، ''برخوردار، رشتے میں ہم تمہارے باپ ہیں! اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے لات مارنا ہماری فطرت ہے، لیکن بلا وجہ کسی کو بھی لات مار دینا شرارت ہے، بری عادت ہے۔ اب بھی وقت ہے، اس بری عادت کو چھوڑ دو ورنہ تم تو

جانتے ہی ہو کہ ہر بری عادت کا انجام برا ہی ہوتا ہے!'' بزرگوں کی اس نصیحت پر غور کرنے کی بجائے گدھے نے اپنا پیر اٹھا کر ان پر بھی گھما دیا اور اگر نصیحت کرنے والے ایک بزرگ تیزی سے ایک طرف نہیں ہٹ جاتے تو اس کی لات سیدھی ان کی تھوتھنی پر پڑتی۔ پھر بھلا گدھے کی لات کھانے کے لیے بزرگ وہاں کیسے ٹھہر سکتے تھے؟ پہلی دولتّی سے ہی سب کے سب ڈھینچوں..... ڈھینچوں..... کرتے ہوئے نو دو گیارہ ہو گئے۔

ایک دن گدھے نے ایک لومڑی کو دیکھ کر بڑے پیار سے کہا، ''آؤ بہن، میرے پاس آؤ! بہت دنوں بعد ملے ہیں، تھوڑی دیر پیار بھری باتیں کریں گے!'' لومڑی آخر لومڑی ٹھہری۔ وہ مکاّر اس کی مکاّری میں بھلا کیسے آتی؟ وہ اس کی جھانسا دے کر لات مارنے والی عادت سے بخوبی واقف تھی۔ گدھے کی بات سنتے ہی وہ اسے دیکھتے ہوئے بڑے پیار سے مسکرائی اور دل میں سوچا، 'کمبخت! تو مجھے کیا سکھاتا ہے؟ میں خود تجھے آج ایسا سبق دوں گی کہ زندگی بھر کے لیے اپنی یہ لات مارنے کی عادت بھول جائے گا اور تیری اس بری عادت سے دوسرے کمزور جانوروں کو ہمیشہ کے لیے چھٹکارا مل جائیگا'۔

یہ سوچتے ہی لومڑی نے اپنے چاروں طرف دیکھا، پھر دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے بڑے پیار سے گدھے سے بولی، ''میرے گدھے بھیاّ! میں بہت دور سے آ رہی ہوں اور بہت ہی تھکی ہوئی ہوں۔ مہربانی کر کے تم ہی اپنی اس بہن کے پاس آ جاؤ۔'' اتنا کہہ کر لومڑی لڑکھڑاتے، ڈگمگاتے قدموں سے چل کر سہارا لینے کے لیے ایک بہت ہی بڑے پتھر سے ٹک گئی۔

لومڑی کی بات سنتے ہی اپنی شرارتی کامیابی کے خیال سے گدھے کا سینہ خوشی سے پھول گیا اور ہونٹوں پر پیار بھری مسکراہٹ لیے وہ جلدی سے لومڑی کے پاس آ گیا۔ لومڑی کو غافل رکھنے کے لیے کچھ دیر تک وہ اس سے بہت ہی میٹھی میٹھی باتیں کرتا رہا، پھر عادت کے مطابق اچانک ہی لات مارنے کے لیے اس نے اپنا پیر پوری طاقت سے لومڑی کی طرف گھما دیا۔ اس حملہ کے لیے لومڑی پہلے سے ہی تیار تھی۔ گدھے کے پیر اٹھاتے ہی وہ تیزی سے پتھر سے دور ہٹ گئی اور گدھے کی زوردار لات ٹھیک پتھر پر پڑی! پھر ظاہر ہے، پتھر

تو ٹوٹنے سے رہا، البتہ گدھے کے پیر کی ہڈّی ضرور ٹوٹ گئی اور وہ زمین پر ڈھیر ہو کر بری طرح تڑپنے اور چیخنے لگا۔ لومڑی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بڑے ہی شرارتی لہجہ میں بولی، ''کیوں گدھے بھیا، طبیعت کیسی ہے ؟ اپنی بہن کے ساتھ شرارت کرتے ہوئے تم یہ بھول گئے کہ تمہاری یہ بہن، جنگل کی سب سے بڑی مکارہ ہے۔ آئندہ کسی کے ساتھ ایسی شرارت کبھی نہیں کرنا، ورنہ ابھی تو ایک ہی ٹانگ ٹوٹی ہے پھر باقی تینوں سے بھی محروم ہو جاؤ گے!'' یہ کہتے ہی وہ زوردار قہقہوں سے گدھے کا مزاق اڑاتے ہوے جنگل کی طرف چلی گئی۔

بچّو، محض اپنی لات مارنے کی بری عادت کی وجہ سے گدھا اپنی ایک ٹانگ سے معذور ہو کر زندگی کی ایک بہترین نعمت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا۔ اس عبرت آموز سبق سے اس کی یہ عادت ہمیشہ کے لیے چھوٹ گئی۔ اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگ کو دیکھ کر وہ اکثر سوچتا، 'کاش! اپنے بزرگوں کا کہنا مان کر میں نے یہ بری عادت پہلے ہی چھوڑ دی ہوتی تو آج میرے چاروں پیر سلامت ہوتے اور میں اپاہجوں کی زندگی نہیں گزارتا!'

☆

بطخ اور مرغیاں

آفتاب حسنین

ایک گاؤں میں ایک بطخ رہتی تھی۔ بہت ہی سیدھی سادی، بہت ہی بھولی بھالی۔ایک دن نہانے کے بعد تالاب سے نکلی اور کنارے آ کر بدن سکھانے لگی۔ بدن کا پانی جھٹکنے کے لیے بے خیالی میں پھڑ پھڑاتے ہوئے پر ایک کانٹے دار جھاڑی میں الجھ گئے۔اتفاق سے جھاڑی کے کانٹے اتنے نوکیلے اور ٹیڑھے میڑھے تھے کہ پر چھڑانے کی کوشش میں اس کا تمام بدن کانٹوں میں بِندھ گیا اور وہ بلکل بے بس ہو کر امداد طلب نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے اور اس عذاب سے نجات پانے کے لیے خدا سے دعائیں مانگنے لگی۔

سچے دل سے کی ہوئی دعا کبھی خالی نہیں جاتی۔اسی وقت چند مرغیاں ٹہلتے اور دانہ چگتی ہوئی وہاں سے گزریں۔انہیں دیکھ کر بطخ کا چہرہ امید کی کرن سے کھل اٹھا اور ان کے قریب آتے ہی وہ انہیں مخاطب کرتے ہوئے بڑی عاجزی سے بولی، بہنو، میں اس جھاڑی کے عذاب میں اس بری طرح پھنس گئی ہوں کہ خود سے نکل نہیں سکتی۔خدا کے لیے مجھے اس عذاب سے نکال دو!

ان میں ایک سفید مرغی کو بطخ کی اس بے چارگی پر بہت ہی ترس آیا اور وہ اپنی تمام ساتھیوں کو امداد دینے والی نظروں سے دیکھنے لگی لیکن وہ تمام کی تمام مغرور قسم کی مرغیاں تھیں۔بطخ کی التجا سن کر اور سفید مرغی کا

مطلب سمجھ کر برے برے منہ بنانے لگیں۔

''جا، جا..... تو ہماری زات کی نہیں تو پھر ہماری بہن کیسے ہوئی؟'' ایک بڑی حقارت سے بولی۔

''ذلیل کہیں کی.....خوامخواہ ہمیں آواز دے کر ہماری ساری تفریح کا مزا کرکرا کر دیا!'' دوسری نے اپنی بھدی چونچ کو زوردار جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔

''کمینی زات کی.....تیرا ہمارا کیا رشتہ؟ کوئی تیری زات کا آئے تو اسے اپنی مدد کے لیے بلا لینا!'' تیسری نے بڑے نخرے سے دیدے مٹکاتے ہوئے کہا۔

''اری.....!اس ذلیل کے ساتھ باتیں کر کہ تم خود بھی کیوں ذلیل ہو رہی ہو؟'' چوتھی نے بطخ سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنی ہی ساتھیوں کو دانٹا، ''چلو ہم اپنی تفریح کریں!''

مجبور و بے بس بطخ کی مدد کرنے کی بجائے، سفید مرغی کے علاوہ، سب کے سب اسے جلی کٹی باتیں سنا کر آگے بڑھنے لگیں۔ سفید مرغی کو اپنی ساتھیوں کی اس بے رحمی پر بڑا غصہ آیا اور وہ سب کو روکتے ہوئے بڑی عاجزی سے بولی، ''بہنو، اس کی جان خطرے میں ہے اور اس وقت ہم کئی ہیں۔ بڑی آسانی سے اس کی جان بچا سکتے ہیں، ہمیں ضرور اس کی مدد کرنی چاہیے۔''

''کیا.....تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے؟'' ایک مرغی غصے سے کڑکڑائی۔

''اری.....یہ نہ اپنے زات کی نہ برادری کی، اس کی مدد کر کہ ہمیں کیا ملے گا؟'' دوسری نے جھٹ سے کہا۔

''یہ ہماری برادری کی نہیں لیکن ہماری ہی طرح خدا کی مخلوق ہے اور مصیبت کے وقت کیسی کی مدد کرنا ہر جاندار کا فرض ہے اور یقین کرو ہمیں اس نیکی کا بھرپور سلہ بھی ضرور ملے گا۔'' سفید مرغی نے منہ توڑ جواب دیا۔

سفید مرغی کی کھری کھری باتوں نے سب کے منہ بند کر دیے اور وہ اپنی جھینپ مٹانے کے لیے ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہوئی آگے چلی گئیں۔ انہیں جاتا دیکھ سفید مرغی کے تن بدن میں آگ لگ

گئی۔اس کا جی چاہا کہ اپنی تمام ساتھیوں کا پرنوچ ڈالے اور تکلیف کیا ہوتی ہے اس کا احساس دلانے کے لیے چونچیں مار مار کر ان سب خود غرضوں کو لہولہان کر دے لیکن ان پر تو بس نہیں چلا، دوڑی دوڑی بطخ کے پاس آئی۔ کچھ دلاسے دئے اور جلدی جلدی چونچ اور پنجے چلا کر اسے آزاد کرنے کی کوشش کرنے لگی۔اس جدوجہد میں وہ خود بھی بری طرح زخمی ہوگئی پر ہمت نہیں ہاری اور تھوڑی دیر میں بطخ کو جھاڑی سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوگئی۔

خدا کے کرم اور مرغی کے خلوص کو دیکھ کر بطخ کی آنکھیں بھر آئیں۔دل ہی دل میں اس نے پہلے خدا کا شکر ادا کیا پھر مرغی کے احسان کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو مرغی اس کی بات کاٹتے ہوئے بڑے پیار سے بولی، ''بہن، یہ میرا احسان نہیں خدا کی مہربانی ہے اور اسی نے میرے ذریعے تمہاری نجات کا ذریعہ بنایا ہے۔میرا نہیں اس کا شکریہ ادا کرو۔''اس کے بعد دونوں اپنی اپنی راہ چلی گئیں۔

کچھ دنوں بعد اسی گاؤں میں سیلاب آ گیا اور سارے گاؤں میں افراتفری مچ گئی۔ دوسرے جانداروں کی طرح مرغیوں میں بھی بھگدڑ مچ گئی جن میں وہ سب مغرور قسم کی مرغیاں اور سفید مرغی بھی شامل تھی۔ جان بچانے کا کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آیا تو وہ پر پھڑ پھڑاتی ہوئیں ایک درخت پر پہنچ گئیں۔تھوڑی دیر بعد پانی کا دھارا درخت کے چاروں طرف پھیل گیا۔ ننھی سی جانیں ہر طرف پانی ہی پانی دیکھ کر گھبرا گئیں اور اس پانی میں انہیں چاروں طرف اپنی موت ناچتی نظر آنے لگی کیوں کہ اگر ڈوبنے سے بچ بھی جاتیں تو درخت پر بغیر دانے دنکے کے بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر جاتیں۔تمام کی تمام خوف سے حلق پھاڑ پھاڑ کر کڑکڑانے لگیں۔اس بے بسی پر سفید مرغی کو بطخ کا جھاڑی میں پھنسنے والا واقعہ یاد آ گیا اور وہ خدا سے اپنی اور اپنی تمام ساتھیوں کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگی۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ انہیں بطخ نظر آئی جو پانی پر تیرتی ہوئی بڑی تیزی سے اسی درخت کی طرف آ رہی تھی۔ دیکھتے ہی سفید مرغی کی خوشی کی تو کوئی انتہا نہیں رہی، باقی سب بھی چیخ چیخ کر

اس سے مدد کی التجا کرنے لگیں۔

قریب آتے ہی بطخ نے سب سے پہلے سفید مرغی کی خیریت پوچھی پھر دوسری تمام مرغیوں کی کچھ دنوں پہلے والی مغروریت کو نظر انداز کر کہ بڑے ہی خلوس سے بولی، ''بہنو! گھبراو نہیں، اللہ پر بھروسہ رکھو، وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا!'' اس کے بعد اس نے سفید مرغی کو اپنی پیٹھ پر سوار کیا اور تیزی سے خشکی کی طرف روانہ ہوگئی۔

سفید مرغی کو خشکی پر چھوڑ کر جب بطخ لوٹی تو اس کے ساتھ اس کی بہت ساری بطخ سہیلیاں بھی تھیں۔ ہر ایک بطخ نے ایک ایک مرغی کو اپنی اپنی پیٹھ پر سوار کیا اور پانی کی لہروں سے انہیں بچاتے اور سنبھالتے ہوئے خشکی پر لا چھوڑا۔ خشکی پر پہنچتے ہی سب مرغیوں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا پھر بطخ کے آگے شرم وندامت سے سر جھکا کر اپنے ناروا سلوک کی معافی مانگنے لگیں۔

مرغیوں کی جان بچانے کی جدوجہد میں بطخ بری طرح ہانپ رہی تھی۔ اس کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ اس نے بڑے پیار سے ہانپتے کانپتے لہجہ میں کہا، ''بہنو! مجھ سے معافی مانگ کر مجھے شرمندہ اور گنہگار مت کرو۔ اپنی غلطی کا احساس ہو جانا ہی سب سے بڑی سزا اور معافی ہے۔ بس، آئندہ اتنا یاد رکھنا کہ مصیبت کے وقت کسی مجبور و بے بس کے کام آنا سب سے عظیم خدمت وعبادت ہے۔''

☆

سو کتابیں ردّی کے لیے چھپیں اس سے اچھا ہے
ایک کتاب لائبریری کے لیے چھپے !

۔ آفتاب حسنین

آفتاب حسنین کی دیگر کتابیں۔

☆ **کھانی نگر۔** -/75 روپئے

بچوں کے لیے اکیس طبع زاد کہانیوں کا مجموعہ!

☆ **یہاں امینہ بکتی ہے ۔** -/60 روپئے

سماج کے منفی رجحانات کو آئینہ دکھاتا فُل لینتھ ڈراما!

☆ **چل اڑ جا رے پنچھی۔** -/50 روپئے

گلف میں ملازمت کرنے والے پردیسیوں کا کرب انگیز اظہار!

ساہتیہ کلا پریشد (نئی دہلی) سے ایوارڈ یافتہ فُل لینتھ ڈراما!

☆ **روشنی۔** -/70 روپئے

عورت کے بانجھ پن کے درد کی عکاسی کرتا 'موہن راکیش سمّان'

(نئی دہلی) اعزاز یافتہ فُل لینتھ ڈراما!

☆ **اَللّٰھُمَّ لَبَّیک۔** -/30 روپئے

ڈرامے کے ذریعہ مسلکی اتحاد کی ایک کوشش! اتحاد بین المسلمین

پر لکھا پہلا ڈراما!

☆ **ڈراما نگر۔** -/60 روپئے

آفتاب حسنین کے طبع زاد یک بابی ڈراموں کا مجموعہ!

☆

سارانش ساھتیہ مندر

ممبئی - 400 049

ممبئی لٹریری اینڈ کلچرل سوسائٹی

ممبئی - 400 050